

عورت کا مقام و مرتبہ

<"xml encoding="UTF-8?>

معاشرتی لحاظ سے پوری تاریخ میں ایسے بہت کم موضوع پائے جاتے ہیں جو عورت کی شخصیت یا بیویت کے موضوع کی بہ نسبت زیادہ تنقید وغیرہ کا نشانہ بنے ہوں یا ان کے بارے میں متعدد اور مختلف تشریفات کی گئی ہوں ابھی بھی یورپی اور مشرقی دنیا میں عورت کے بارے میں غلط، بے ڈھنگ اور گمراہ کن نظریات پائے جاتے ہیں

ان سب میں صرف انبیاء، اوصیائے اور اہل حق کا واحد مکتب ہے کہ جس میں : ”من اخلاق الانبیاء حب النساء“، عورتوں سے محبت انبیاء کے اخلاق میں سے ہے ”(1) کے ذریعہ افراط و تفریط کے بغیر وحی اور خدا سے رابطہ کے ذریعہ اچھی طرح سے عورت کی منزلت کو بیان کیا جاریا ہے۔ اور اس کی صاف وشفاف اور بر قسمی تحریف کے بغیر مکمل صورت اور پیغمبر اکرم اور اہل بیت کی صحیح سنت کے ذریعے عورت کی شخصیت، قدر و منزالت اور اس کی حیثیت کو بیان کیا ہے قرآن و سنت کی بنیاد پر، عورت کا خلقت اور پیدائش کے لحاظ سے مرد سے کسی قسم کا کوئی فرق نہیں ہے، البته مرد کے ساتھ بعض چیزوں میں شریک ہونے کے باوجود خدائی متعال کی حکمت اور لطف کی بنا پر بعض چیزوں میں اس کی استعداد، اس کے وظائف اور حقوق وغیرہ مردوں سے مختلف ہیں

قرآن کریم اور سنت سے جو کچھ ہمیں ملتا ہے وہ یہی ہے کہ عورت لطیف اور رحمت ہے۔ اس کے ساتھ لطف و کرم اور مہربانی کی جائے، اچھا سلوک کیا جائے اس کے ساتھ ساتھ اس کے طریف اور نازک وجود کی تعریف کی گئی ہے نہج البلاغہ میں تقریباً 25 جگہوں پر خطبوں، خطوط اور کلمات قصار میں عورتوں کے بارے میں گفتگو کی گئی ہے (2) جن میں سے چند ایک موارد کو چھوڑ کر باقی ایسی احادیث، جملات یا کلمات ہیں کہ جن کا مطالعہ کرنے سے لوگ ابتدا میں یہ محسوس کر سکتے ہیں کہ نہج البلاغہ میں عورتوں کے متعلق منفی نظریہ پایا جاتا ہے اور یہی چیز کافی ہے کہ جوانوں اور خواتین کے درمیان نہج البلاغہ کے بارے میں شک و تردید پیدا ہو جائے خاص کر آج کل کے زمانے میں کہ جہاں عورتیں سیاسی، تربیتی، ثقافتی اور اجتماعی امور میں پیش پیش ہیں، اگر ہم اس سلسلے میں ان ابہامات کو دور نہ کرسکیں، ان کے سوالوں کے جواب نہ دے سکیں اور ان شبہات کا جو جوانوں اور خواتین کے ذہنوں میں نہج البلاغہ کی بہ نسبت ایجاد ہوئے ہیں، کا جواب نہ دے سکیں تو ہمیں ان کے گمراہ اور اسلامی ثقافت سے منحرف رہنے کا شائبہ رینا چاہیے۔ اور پھر اس گمراہی اور ضلالت کے ہم خود ہی ذمہ دار ہوں گے اس کے علاوہ ظاہر سی بات ہے کہ آئمہ معصومین خاص کر حضرت امیر المؤمنین علی کے کلام مبارک کا کوئی تربیتی اثر نہیں ہوگا بلکہ اس طرح کے جوان اور ہمارہ معاشرہ آئمہ کے بارے میں بد ظن ہو کر ان سے دوری اختیار کرے گا اور انہیں اپنے لئے اسوہ اور نمونہ بنانے سے اجتناب کرے گے اس مضمون میں نہج البلاغہ میں عورتوں کے بارے میں موجود عبارتوں کے بارے میں کچھ نظریات ذکر کیے گئے ہیں اور معاشرے پر اس کے کیا اثرات مرتب ہو سکتے ہیں اور ساتھ ہی آخر میں اصلی اور صحیح نظریہ بھی بیان کیا گیا ہے۔ نیز اس کے بعض تربیتی پہلو بھی بیان کیے گئے ہیں اگر چہ محدودیت کی بنا پر اختصار سے کام لیا گیا ہے لیکن قارئین گرامی خود تحقیق کر کے اس کے دلائل سے آگاہی حاصل کر سکتے ہیں

عورت کا شر ہونا نہج البلاغہ کی بعض عبارتوں کو پڑھ کر یہ احساس ہوتا ہے کہ حضرت علی نے بھی عورت کو شرقرار دیا ہے۔ مثلاً حضرت علی فرماتے ہیں:

”المر شرّ كلها و شرّ ما فيها أَنَّهُ لَا بَدْ مِنْهَا“ عورت کاپورا وجود شر ہے اور سب سے بڑا شر یہ ہے کہ اس کے بغیر کوئی چارہ بھی نہیں ہے (3)

نہج البلاغہ میں اس طرح کے بہت سے موارد موجود ہیں کہ جن میں اگر ابتدائی اور سطحی نظر سے دیکھا جائے تو مخاطب اس نتیجہ تک پہنچتا ہے کہ اس کتاب میں بھی دوسری پرانی کتابوں کی طرح عورت کو ایک شر، آلودہ اور پلید وجود سمجھا گیا ہے یہ بات قابل ذکر ہے کہ قدیم زمانے میں یہ نظریہ پہلے سے موجود تھا اور بہت پہلے سے انسانوں میں یہ فکر (عورت کا شر یا پلید اور منحوس ہونا) رائج تھی بعض لوگ قائل تھے کہ عورت بائیں پسلی یا شیطان کی پسلیوں سے پیدا ہوئی ہے اور یہ شیطان کی ایک آله کار ہے جو مردوں کو اغوا کرنے کیلئے استعمال کی جاتی ہے جیسا کہ عہد عتیق میں صراحةً کے ساتھ یہ نظریہ بیان کیا گیا ہے اسی وجہ سے مختلف قوموں، ملتوں، امتوں اور تہذیبوں میں عورت کو ”ام المفاسد“ (فساد کی جڑ) کے نام سے یاد کیا جاتا تھا وہ قائل تھے کہ عورت فساد پیدا کرنے والی مخلوق ہے لہذا اسے کنٹرول کیا جانا چاہیے ورنہ یہ پورے معاشرے کو فساد اور گمراہی میں مبتلا کر سکتی ہے

ابن میثم بحرانی اسی حکمت (238) کے ذیل میں لکھتے ہیں:

عورت، مرد کیلئے مکمل طور پر شر ہے، سے مرادیہ ہے کہ چونکہ عورت کا نفقہ مرد پر واجب ہوتا ہے جو کہ ظاہر ہے یا پھر اس سے لذت حاصل کرنا مرد ہے کیونکہ یہ بھی خود خدا سے اور اس کی اطاعت سے روکنے اور دور کرنے کا سبب بنتی ہے ہاں مرد کیلئے اس کے علاوہ کوئی چارہ کاریہی نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ انسان کی طبیعت اور اس دنیاوی وجود کا تقاضا یہی ہے کہ انسان کو ہمیشہ اس کی ضرورت رہے اور اپنی ضروریات کو اس سے پورا کرے اور ان ہی ضرورتوں کی وجہ سے مرد عورت کو برداشت کرتا ہے۔ البتہ عورت کے باطن میں شر کا وجود ایسی علت ہے جو معلوم سے بھی قوی تر ہے (4)

وہ اسی طرح مولا علی کی اس فرمائش کے بارے میں لکھتے ہیں:

”المر عقرب حلو اللبس“؛ عورت بچھو کی طرح ہے کہ جس کا کائنات میں ہوتا ہے“ (5)

بحرانی کہتے ہیں:

”بچھو کا کام کائنات ہے اور چونکہ عورت بھی آزار و اذیت کرتی ہے لہذا اس کیلئے عقرب، استعارہ کے طور پر استعمال کیا گیا ہے صرف یہ کہ اس کے کائنات میں لذت اور مٹھاں محسوس ہوتی ہے اور بالکل اس زخم کی طرح ہے کہ جس کو کھرچنے یا کھجلنے کے بعد تکلیف ہوتی ہے لیکن کھجلنے وقت اس سے خاص مزہ اور لطف آتا ہے“

تاریخ بشریت میں عورت کے شر ہونے کا نظریہ اور عقیدہ بہت پرانا ہے سید کمال الدین مرتضویان فارسانی جو کہ خود بھی اس نظریہ کے معتقد ہیں، نے اپنے اس نظریہ کو ثابت کرنے کیلئے ایک کتاب بنام ”ام المفاسد“ لکھی ہے جس میں ضرب الامثال، اشعار، حکایات، دانشوروں کے کلام اور دوسرے مسائل وغیرہ درج کیے گئے ہیں اور یہ تمام مطالب عورت کے شر ہونے پر دلالت کرتے ہیں مثلاً مولوی کا ایک شعر ذکر کیا ہے:

ہر بلا کاندر جہاں بینی عیان باشد از شومی زن در ہر مکان

یعنی مولوی کہتے ہیں کہ اس دنیا میں جہاں بھی کوئی بلا اور مصیبت نظر آتی ہے تو وہ عورت کی نحوست کی

اور اسے مختلف دانشوروں سے بھی نقل کیا ہے۔ مثلاً سقراط کہتے ہیں: ایک عورت کو دیکھا، بیما رہے، کہا: یہ شر ہے کہ جس نے شر کو روک کر رکھا ہے" یا "عورتیں ایک عورت کی تشیع جنازہ کر رہی تھیں تو کہا: شر دوسرے شر کے مرنے پر غمگین ہے" وغیرہ اس کتاب کے نام سے ہی لگتا ہے کہ فارسانی نے عورت کی شخصیت کو بگاڑھے اور اس کی منزلت کو گرانے کے لئے یہ کتاب لکھی ہے جس میں آسمانی کتابوں کی آیات (و عبارات)، انبیاء، آئمہ، حکماء، شعرائی، اور بادشاہوں وغیرہ سے عورت کی شخصیت اور اس کے شر ہونے کے بارے میں کلام نقل کیا گیا ہے ظاہر ہے کہ اس کتاب کا مقصد عورتوں کو محدود کرنا اور چار دیواری میں بند کرنا ہے۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ عورت کو کنٹرول کر کے اسے سیاسی، اجتماعی، تربیتی، علمی میدانوں میں ترقی سے محروم کیا جائے۔ کیونکہ اگر ایسا نہ کیا گیا تو عورت کے وجود میں پوشیدہ شر اور فساد کھل کر سامنے آئے گا۔ جس سے معاشرے میں فساد کا ڈر ہے اس نظریہ کا مطلب عورت کو کمزور اور ضعیف رکھنا اور قدم پر اسے لگام کس کر کنٹرول کرنا ہے اسی نظریہ کے مطابق عورت کیلئے بہترین نمونہ اور آئیڈیل یہ ہے کہ اپنے آپ کو مرد کا خادم اور وسیلہ سمجھے اور اپنے شوپر اور بچوں کی چار دیواری سے تجاوز نہ کرے اگر تاریخی حوادث پر سرسری نظر دوڑائی جائے تو یہی پتہ چلتا ہے کہ جب بھی عورت نے اپنے حدود اور دائرة اختیار سے باہر قدم رکھا ہے تو معاشرہ فساد اور خرابی کا شکار ہوا ہے

افسوس تو یہ ہے کہ یہ فکر دینی ثقافت میں بھی رسوخ کر گئی ہے۔ یہاں تک کہ بعض لوگ خواتین کو تعلیم و تربیت سے محروم کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور صراحة سے یہ کہتے ہیں کہ عورت کیلئے بہتر ہے کہ گھر کی چار دیواری میں بند رہے بخار الانوار کی پہلی جلد میں امام صادق سے روایت نقل ہوئی ہے:

”أَنَّ الْمَرْأَةَ خُلِقَتْ مِنَ الرَّجُلِ وَ أَنَّمَا هَمْتَهَا فِي الرِّجَالِ فَاحْبِبُوهَا نِسَائِكُمْ وَ انَّ الرَّجُلَ خُلِقَ مِنَ الْأَرْضِ فَاقْتَلُوهُ إِذَا هَمْتُهُ فِي الْأَرْضِ“ (6)

اس روایت کا مفہوم یہ ہے کہ آدم براہ راست مٹی سے بنائے گئے اور ان کی ابلیہ (حوا) حضرت آدم سے باقی بچی ہوئی مٹی سے بنائی گئیں اور ان دو ہستیوں کے درمیان ایک ظاہر سا مادی فرق پایا جاتا ہے اور وہ یہ کہ مرد کی تمام بمت، سعی اور کوشش زمین اور اس کو تسخیر کرنا، اس کا حصول اور اس پر غلبہ ہے۔ جب کہ عورت کی ساری کوشش یہ ہوتی ہے کہ مرد کو پالے اور یہ اصل حرکت کی بنیاد پر ہوتا ہے

بقول شاعر :

ہر کسی کو دور ماند از اصل خویش
باز جوید روزگار وصل خویش

ہاں ان کی (دونوں کی) معنوی اور روحی بمت وتوان فقط خدا وند متعال کی ذات اور اس تک پہنچنا ہے۔ یعنی سیر الی اللہ کیونکہ دونوں "نَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي" کے مصدق ہیں، اور فقط دنیاوی اور مادی لحاظ سے ان دونوں میں فرق پایا جاتا ہے۔

لہذا علامہ مجلسی فرماتے ہیں:

"اب اگر عورت کی ساری تلاش مرد کے حصول میں ہوتی ہے۔ پس اے مردو (شوہر!) اپنی بیویوں سے محبت کرو کیونکہ عورتوں کی زندگی کا دار و مدار تم پر ہے اور ان کا سارا ہم وغم مردوں کی ذات ہے جب کہ مرد ایسا نہیں ہے وہ اپنی بیوی کے ساتھ رہتے ہوئے اپنی اجتماعی منزلت کیلئے متفرک بھی ہے اور عورت سے محبت کرنے کے ساتھ ساتھ معاشرے سے بھی وابستہ ہے اور وہاں پر اپنا ایک خاص مقام بنانے کی فکر میہرے۔" بعض کتابوں

میں اس روایت میں "احبّوا" کی جگہ "احبسوا" آیا ہے⁽⁷⁾
اپنی عورتوں کو بند رکھو لیکن یہ غالباً راوی کی نسخہ برداری یا فراموش کاری کا نتیجہ ہو سکتا ہے
شہید مطہری اپنی کتاب "مسئلہ حجاب" میں مختلف جگہوں پر تاکید کرتے ہیں
اسلام راضی نہیں ہے کہ عورت پرده کر کے گھر کی چار دیواری میں محبوس ہو کر رہے اور آیات و روایات بھی اس
مطلوب کی نفی کرتی ہیں

اب وہ امام جو مولائے کائنات اور امیر المؤمنین ہیں، عورت کے بارے میں فرماتے ہیں:
"المر ریحان لیست بقهرمان؛ عورت پھول کے مانند ہے اور خدمت گزار نہیں ہے". کیسے اس نظریہ کو قبول کر
سکتے ہیں اور کہہ سکتے ہیں کہ حضرت اس نظریہ کے قائل ہیں؟
وہ علی جو پیغمبر اسلامکے سب سے بڑے اور ممتاز شاگرد اور سب سے بڑے مربی قرآن ہیں، کیسے ممکن ہے
اس نظریہ کے قائل ہوں جبکہ قرآن حضرت مریم کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے:
"ولیس الذکر كالانشی؛ مرد عورت کے مانند نہیں ہو سکتا"

جبکہ لوگوں کے درمیان مرد اور عورت کی جنسیت کو معیار نہیں بناتا بلکہ اس کا معیار "ان اکرمکم عند الله
اتقکم" تقوی اور پریز گاری ہے پس یہ مربی قرآن، قرآن کے خلاف کوئی بات نہیں کہہ سکتا۔ لہذا یہ نظریہ
صحیح نہیں ہے اور اسے امام کی طرف منسوب نہیں کر سکتے

دوسرا نظریہ:

عورت کا ناقص ہونا ایک اور گروہ ہے جو عورت کے ذاتی شر یا شرور ہونے پر اعتقاد نہیں رکھتا بلکہ ان کا نظریہ یہ
ہے کہ یہ شر عورت کے ناقص وجود کی وجہ سے ہے ان کے نظریہ کے مطابق عورت ناقص خلق کی گئی ہے اور
اس وجہ سے اس کی عقل بھی ناقص ہے۔ اور مرد اس موجود سے ایک کامل ہستی کی امید رکھتا ہے اور چاہتا
ہے کہ عورت بھی اس کی طرح کمالات کی راہوں کو طے کرے لیکن عورت اس کمال تک نہیں پہنچ سکتی، لہذا
مرد اس کا نام شر یا شرارت رکھتا ہے اور اسے شرارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اور یہ وہی چیز ہے کہ جس کے
وجود کو شر کہا جاتا ہے وہ یا تو نسبی ہے یا عَدْمی اور یہ دونوں چیزیں مادہ کے نقص اور اس کے ضعف کی
وجہ سے ہیں اور اس مادی عالم کے ناقص اور محدودیتوں کی بنا پر دوسرے مادی موجودات کیلئے شر ایجاد ہوتا
ہے اور شرارت کا سبب بنتا ہے اس بنا پر اگر ایسے ماحول اور فضا میں کہ جہاں کامل وجود عمل کرے اور ایک
عورت اس میں مداخلت کرے تو اس کا منفی اثر اور منفی رد عمل ہوتا ہے جسے شرارت کہا جاتا ہے اسی وجہ
سے عورت کے وجود کو شرارت کہا جاتا ہے جو اس کے نقص کی طرف پلٹتا ہے اور اس کے ناقص ہونے پر دلالت
کرتا ہے اس نظریہ پر حضرت علی کی فرمائش ہمارے لیے بہترین دلیل ہے، حضرت علی فرماتے ہیں:
"معاشر الناس ان النساء نواقص الایمان، نواقص الحظوظ، نواقص العقول، فاما نقصان ایمانهنّ فقعودهنّ عن
الضل والصیام فی ایام حیضهنّ، و اما نقصان عقولهنّ فشهاد امرآتین کشهاد الرجل الواحد، و اما نقصان
حظوظهنّ فمواریثهنّ علی الانصاف من مواريث الرجال۔"؛

لوگو! عورتیں ایمان، ارث (وراثت) اور عقل کے لحاظ سے ناقص ہیں ان کا ایمان کے لحاظ سے نقص یہ ہے کہ وہ
حیض کے دنوں میں نماز اور روزہ سے محروم ہیں اور عقل کے لحاظ سے ان کا نقص یہ ہے کہ دو عورتوں کی
شهادت ایک مرد کی شہادت کے برابر ہے اور ارث کے لحاظ سے ان کا نقص یہ ہے کہ انہیں مردوں کا نصف ارث
ملتا ہے⁽⁸⁾

اسی وجہ سے لوگوں میں یہ اصطلاح زیادہ رائج ہے اور جب عورت کو کچھ کہنا ہو تو ناقص العقل کہا جاتا ہے اس نظریہ سے چند ایک نتیجے نکل سکتے ہیں :

1 عورتوں کے عقل اور ایمان کے لحاظ سے ناقص ہونے کی وجہ سے انہیں اجتماعی کاموں میں مردوں سے آگے جانے کی اجازت نہیں دی جانی چاہیے یا انہیں اصلی اور مقام و مقام نہیں دینا چاہیے اور ان کے ناقص پر توجہ کرتے ہوئے ان کے مشورہ پر عمل نہیں کرنا چاہیے

2 عورتوں کو اپنے اس ذاتی نقص پر توجہ کرتے ہوئے ایسے عمل کرنا چاہیے کہ اس معاشرے پر کوئی برا اثر مترب نہ ہو۔ لہذا انہیں اپنے فرائض پر توجہ کرنی چاہیے

3 ایسے امور میں کہ جہاں غور و فکر کی زیادہ ضرورت ہے، عورتوں کو شامل نہیں کرنا چاہیے

تیسرا نظریہ:

عورت اور مرد کا برابر اور مساوی ہونا گزشتہ دونوں نظریوں کے مقابلے میں ایک اور نظریہ بھی ہے اور انہوں نے نہج البلاغہ کے کلام کو مدنظر نہ رکھتے ہوئے اس سے بالکل ہٹ کر ایک اور نظریہ ذکر کیا ہے اس گروہ نے قرآن یا نہج البلاغہ نیز احادیث کو دیکھنے سے پہلے ہی ایک الگ قسم کا طرز فکر اختیار کیا ہے اور اس نظریہ کو آج کل کی موجودہ فضا اور روشن فکری کا نتیجہ کہہ سکتے ہیں اس گروہ کے مطابق مرد اور عورت کے وجود، ان کی ذات اور خلقت وغیرہ میں کسی کسی قسم کا فرق نہیں پایا جات اس گروہ کا عقیدہ یہ ہے کہ مرد اور عورت دونوں انسانی صفات کے حامل ہیں اور ان کی خلقت میں کسی قسم کا فرق نہیں پایا جاتا۔ بلکہ اگر فرق ہے بھی تو ان کے کردار اور ان کی تولید مثل (نسل کشی) میں اس بنا پر خاندانی، اجتماعی، فکری، روحی مسائل اور حقوق یا مختلف کرداروں میں ان دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے اور معاشرے میں ہر طرح کا موجود فرق، ہماری نامناسب تربیت کا نتیجہ اور معاشرے میں غلط رفتاری کا اثر ہے جہاں پر بھی ایک فکری یا ثقافتی انقلاب وجود میں آیا ہے یا جب بھی عورتوں میں ایک تغییر و تحول وجود میباہے وہاں پر اس قسم کے تمام اختلافات کو مٹایا گیا ہے، اور اس طرح کے معاشرے میں عورتیں اعلیٰ مقام و منزلت پر فائز ہوئی ہیں اور صاحب نظر بھی بنی ہیں

یہ نظریہ فیمینسٹوں کے ذریعہ وجود میں آیا ہے اور انہوں نے ہی اس نظریہ کو رائج کیا ہے انٹرنسنل سطح پر اقوام متحده کے کنونشنوں اور انسانی حقوق کی تنظیموں نے بھی اس کی تائید کی ہے اس نظریہ کے ماننے والے جب نہج البلاغہ اور مولا علی کے کلام مبارک پر نظر ڈالتے ہیں اور اسے اپنے نظریہ کے خلاف دیکھتے ہیں تو امام کی کلام کی مختلف قسم کی تاویلیں کرتے ہیں:

1 امام علی کی تعبیریں، محدود اور چند خاص عورتوں کے متعلق تھیں اس گروہ میں بعض لوگوں کا عقیدہ ہے کہ نہج البلاغہ میں عورتوں کی مذمت کے بارے میں جو جملے وارد ہوئے ہیں صدر اسلام کی بعض خاص عورتوں کے متعلق ہیں کہ جن کے اشتباہات اور لغزشوں کی وجہ سے بعض مسلمان منحرف اور گمراہ ہو گئے اس بنا پر یہ جملے سب عورتوں کو شامل نہیں ہوتے لیکن قرآن کی طرح اور عربیوں کی رسم کے مطابق ان کے نام ذکر نہیں کیے گئے ہیں بلکہ عمومی الفاظ کے ذریعے سب کو مخاطب قرار دیا گیا ہے پس ان عبارتوں کا یہ مفہوم نہیں نکالنا چاہیے کہ اس سے مراد سب عورتیں ہیں

2 بے ان لوگوں کا نظریہ ہے جو حضرت علی اور نہج البلاغہ کو نمونہ کے طور پر قبول کرتے ہیں اور اپنے عقائد میں سختی سے پابند ہیں۔ لیکن دوسری طرف سے عورتوں اور مردوں میں مساوات کے قائل ہیں لہذا مجبور ہو کر اس

طرح کا نظریہ پیش کرتے ہیں تاکہ ان کے دین و ایمان میں بھی خلل وارد نہ ہو اور اپنے نظریہ میں بھی کسی قسم کی مشکل پیش نہ آئے

2 امام علی کی تعبیریں اپنے زمانے کی عورتوں سے مخصوص تھیں: ایک اور گروہ کا عقیدہ ہے کہ اس زمانے کی خواتین، اس وقت کی ثقافت اور تہذیب و تمدن کی وجہ سے ان صفات و خصوصیات کی حامل تھیں ان کے عقیدے کے مطابق اس زمانے میں عورتوں کے بارے میں تنگ نظری سے کام لیا جاتا تھا وہ عورتیں تہذیب و تمدن، تعلیم و تعلم، تفکر و اجتماع سے اتنی دور تھیں کہ ہم انھیں اس قسم کی تعبیروں کا مستحق اور مصدق کہ سکتے ہیں در حقیقت وہ ایک ایسے بچے کے مانند تھیں جو کئی سالوں سے اجتماع اور معاشرہ سے دور رہے اور پھر اچانک ایک اجتماع یا معاشرے میں وارد ہو جائے جب اس قسم کے افراد اچانک ایک معاشرہ میں وارد ہوں تو انھیں رشد و کمال کیلئے کافی وقت کی ضرورت ہوتی ہے اور ان کیلئے یہی بہتر ہے کہ انھیں ان کی مشکلات کے بارے میں یاد ہبائی کرائی جائے تاکہ دوسرا لوگ ان سے معاشرتی نمونہ اور ماذل بننے کی امید نہ رکھیں اور اس قسم کی صفات سے خود کو بھی دور کریباں گروہ کی نظر میں مولا علی کا کلام جزئی نہیں بلکہ کلی ہے لیکن فقط مولا علی اور صدر اسلام کے زمانے کی عورتوں تک محدود ہے اور آج کل کی عورتوں پر جو کہ فہمیدہ، دور اندیش اور روشن فکر ہیں اور ان نمائیں سے دور بھی ہیں، یہ قول صدق نہیں کرتا ہے

3 حضرت علی کے کلام سے مراد دین میں مرد کی حکومت ہے: ایک اور گروہ کا عقیدہ ہے کہ حضرت علی کے زمانے میں عورتوں کو معاشرے میں کسی قسم کامقام و منزلت یا حیثیت حاصل نہیں تھی، دین میں مرد بی اصلی محور اور مرکز تھا لہذا حضرت نے بھی ناچار ہو کر ان حالات کے تحت عورتوں کے بارے میں اس طرح کی تعبیریں استعمال کی ہیتظاہر ہے کہ یہ ایسے لوگوں کا نظریہ ہے جو آئمہ اطہار کے علم قدسی و علم لدنی یا عصمت کے منکر ہیں ورنہ کوئی بھی اس قسم کا عقیدہ نہیں رکھ سکتا کہ ایک امام معصوم زمانے کے حالات اور شرائط سے متاثر ہو کر اور دباؤ میں آکر ایسے بیانات جاری کر دے جو اس کی عصمت یا علم کے منافی ہوں۔ اور اس نظریہ سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اہل بیت، خاص کر مولا علی علیہ السلام کا کلام ہمارے لیے تربیتی لحاظ سے نمونہ عمل اور آئیڈیل نہیں ہو سکت

4 نہج البلاغہ کے جملات اور روایات میں تحریف کا احتمال: ایک اور گروہ ایسا بھی ہے کہ جس کا عقیدہ یہ ہے کہ احادیث و روایات منجملہ نہج البلاغہ میں تحریف واقع ہوئی ہے ان لوگوں کا اصرار ہے کہ ہماری بعض روایتیں اسرائیلیات کا جزء ہیں یا جھوٹ، و افتراء و بہتان ہیں۔ جن کی آئمہ کی طرف نسبت دی گئی ہے اور چونکہ حضرت امیر کا عورتوں کے بارے میں کلام بھی حقیقت سے دور ہے لہذا کہہ سکتے ہیں کہ اس میں بھی تحریف واقع ہوئی ہے نتیجہ یہ کہ اس نظریہ کے مطابق بھی نہج البلاغہ کے کلام کو تربیتی لحاظ سے اپنے لئے نمونہ عمل قرار نہیں دے سکتے۔ کیونکہ تحریف شدہ اور غلط حدیثوں پر مشتمل اور ناقابل تشخیص کلام ہے

5 جس دین میں اس قسم کی تعبیریں ہوں وہ تہذیب و تمدن سے خالی ہے: ایک اور گروہ جو زیادہ روی کا شکار ہے اور ایک خاص غرض سے اس کلام کو دیکھتا ہے، اس کی نظر میں (معاذ اللہ) حضرت علی کی یہ تعبیریں اسلام کی پسمندگی اور دقیانوں اور تہذیب و تمدن سے دور ہونے کی علامت ہے ان لوگوں کا کہنا ہے کہ اگر چہ اسلام اپنے زمانے میں ایک ترقی یافتہ اور انسانی دین مانا جاتا تھا لیکن آج کل کے دور میں ذینوں میں ایجاد ہونے والے سوالات اور مشکلات کو ہرگز حل نہیں کر سکتا۔ لہذا ہمیں چاہیے کہ جو دین ہمارے اصولوں سے دور ہو اس سے ہم بھی پریبیز کریں اور اس سے ہرگز کسی قسم کا کوئی رابطہ نہ رکھیں پس تیسرا نظریہ کے مطابق مرد اور عورت، لڑکی اور لڑکے میں کوئی فرق نہیں ہے بلکہ دونوں پر لحاظ سے برابر ہیں

عورت اور مرد کا شرافت اور کمالات میں مساوی اور برابر ہونا اس نظریہ میں گزشتہ نظریوں کے تمام مثبت نکات موجود ہیں۔ جب کہ یہ نظریہ منفی نکات سے خالی اور عاری ہے اس کے علاوہ یہ نظریہ قرآن و سنت سے لیا گیا ہے جس کے مطابق نهج البلاغہ میں عورتوں کے بارے میں موجود روایات سے بحث کی جاسکتی ہے

نهج البلاغہ، قرآن اور حدیث کی دوسری کتابوں میں فرق

جب ہم نهج البلاغہ کے جملات اور مولا علی کے کلام کی تحلیل کرتے ہیں تو اس وقت ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ نهج البلاغہ میں اور قرآن کریم میں اور اسی طرح نهج البلاغہ اور حدیث کی دوسری کتابوں میں بہت زیادہ فرق ہے۔ کیونکہ قرآن ایک ایسی کتاب ہے کہ جس میں ہر چیز کا ذکر ہوا ہے اور اکثر آیتوں ایک دوسرے کی تفسیر کرتی ہیں اگر ایک آیت مجمل و مبہم ہو تو دوسری آیتوں کے ذریعہ اسے سمجھا جا سکتا ہے لیکن نهج البلاغہ میں مولا علی کا پورا کلام جمع نہیں کیا گیا ، بلکہ اس کا بہت ہی کم حصہ اس میں موجود ہے اس بنا پر ہم نہیں کہ سکتے ہیں کہ نهج البلاغہ میامام علی کے تمام نظریات موجود ہیں لہذا ممکن ہے کہ نهج البلاغہ میں ایک موضوع کا ایک ہی حصہ بیان ہوا ہو اور دوسرے حصے پر روشنی نہ ڈالی گئی ہو اور وہ مسائل اب بھی پرده اپنام میں باقی ہوں نهج البلاغہ کا دوسری کتابوں کے ساتھ یہ فرق ہے کہ حدیث کی کتابوں میں احادیث مضمون اور ابواب کی بنیاد پر جمع کی گئی ہیں اور کوشش کی گئی ہے کہ ایک موضوع کے بارے میں تمام روایتوں کو جمع کیا جائے تا کہ اس کا مطلب کامل اور واضح ہو جائے یہ کام آئمہ کے شاگردوں کے ذریعہ انجام دیا گیا ہے لیکن صد حیف کہ امیر المؤمنین کے کلام اور روایتوں کو بنی امیہ کے خلافی نے ہرگز ثبت و ضبط نہیں ہونے دیا اور جو کچھ ہم تک پہنچا وہ سینہ بہ سینہ تھے اسی بنا پر بعض روایتیں لوگوں نے حفظ کر کے ہم تک پہنچائیں لیکن یہ وہی روایتیں تھیں جو لوگوں کے ذوق و سلیقہ کے مطابق تھیں اور انہیں پسند تھیں۔ پس انہوں نے اس عظیم مقدار میں سے مختصر سا حصہ حفظ کیا اور عورتوں کے بارے میں بعض روایتیں جو عورتوں کے منفی پہلووں کو ذکر کر رہی تھیں اور اس زمانے کا کلچر بھی ایسی روایتوں کو پسند کرتا تھا ، لہذا انہوں نے صرف یہی جملات اور عبارتیں حفظ کیں اور باقی کو چھوڑ دی

نهج البلاغہ کے کلام میں خوبصورتی اور فصاحت و بلاغت کا معیار ہونا

نهج البلاغہ کی تحقیق و تحلیل کرتے وقت ایک نکتہ یاد رکھنا چاہیے کہ سید رضی نے امیر المؤمنین کے کلام کو خوبصورتی، خوش بیانی اور فصاحت و بلاغت کی بنیاد پر اس کتاب میں جمع کیا ہے نہ کہ کسی خاص مفہوم یا معنی کو بیان کرنے کیلئے اسی وجہ سے بعض اوقات حضرت امیر کے کلام میں کچھ چیزیں حذف کی گئی ہیں جن کی وجہ سے کلام کا معنی بدل جاتا ہے یا ناقص رہ جاتا ہے دوسرے لفظوں میں سید رضی نے آئیڈیالوجی اور عقیدتی سسٹم کو بیان کرنے کیلئے حضرت امیر کا کلام جمع نہیں کیا ہے بلکہ ان کا مقصد صرف فصاحت و بلاغت والی عبارتیں جمع کرنا تھمثلاً کسی خطبے سے پہلے یا درمیان میں ”و منها“ لایا گیا ہے جو واضح طور پر تقطیع حدیث پر دلالت کرتا ہے بعض اوقات تو ”و منها“ بھی ذکر نہیں ہوا ہے لیکن اچھی طرح سے معلوم ہوتا ہے کہ اس خطبے کا باقی حصہ حذف کیا گیا ہے نهج البلاغہ کا خطبہ نمبر 80 بھی اسی کا ایک نمونہ ہے جو عورتوں کے بارے میں ہے اور یہ خطبہ حمد و ثناء اور کسی مقدمہ کے بغیر ذکر کیا گیا ہے جس سے اس کا نقص

ظاہر ہو جاتا ہے اور معنی میں بھی خلل وارد ہوتا ہے

نهج البلاغہ کا قرآن اور دوسری کتابوں سے مقایسہ

یہ بات ذین نشین رکھنی چاہیے کہ نهج البلاغہ کی سند اور اس کا اعتبارپوری کتاب کے لحاظ سے صحیح ہے لیکن اس کا ہر جملہ معتبر ہو، اس کے بارے میں ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے اور ممکن ہے کہ کوئی ایسا بھی جملہ ہو کہ جس کی سند دوسرے کلام کی بہ نسبت معتبر نہ ہو یا اس ایک جملے میں تحریف واقع ہوئی ہو اور پھر ایک کلمہ کے تبدیل یا تحریف یا عبارت کے حذف ہونے سے یا دوسروں کے کلام کو مولا علی کی طرف نسبت دینے سے اس کا پورا معنی اور مفہوم بدل گیا ہو لہذا ایسے موارد کو آیات و روایات کے ذریعہ مقایسہ کر کے بیان اور واضح کرنا چاہیے اور اس کی سند کی تحقیق کرنی چاہیے مثلاً ایک بہترین مثال ہمارے پاس موجود ہے جو آج کل کی چھپی ہوئی نهج البلاغہ کی کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہے جناب محمد دشتی کی نهج البلاغہ میں عبارت اس طرح ذکر کی گئی ہے ”یاًتَى عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ فَعَنْدَ ذَلِكَ يَكُونُ السُّلْطَانُ بِمُشُورِ النِّسَاءِ“ یہ عبارت بیان کرتی ہے کہ ایسا برا وقت آئی گا جب حکمرانوں کی مشیر عورتوں ہوں گی۔ فیض الاسلام کی نهج البلاغہ میں آیا ہے ”بِمُشُورِ الْأَمَاءِ كَنِيْزِيْنَ حَكْمَرَانُوْنَ كَمِيْشِرِ ہُوْنَ گِي“⁽⁹⁾ ان دونوں کلموں کی وجہ سے معنی میں زمین آسمان کا فرق پیدا ہو جاتا ہے

نهج البلاغہ کے فصیح و بلیغ پہلووں پر توجہ کرنا

نهج البلاغہ میں کلام امیر المؤمنین کی تحقیق کرتے وقت اس کے ادب، فصاحت و بлагت اور معنی و بیان پر توجہ کرنی چاہیے کیونکہ بعض اوقات خاص افراد مراد ہیں لیکن عام لفظ استعمال کیا گیا ہے یا عام لوگ مراد ہیں لیکن خاص افراد یا خاص زمانہ، اور وقت وغیرہ کو مخاطب قرار دیا گیا ہے اسی اصول کی بنا پر نهج البلاغہ میں بعض اوقات عبارتیں تمام عورتوں کے متعلق ہیں لیکن توجہ کرنی چاہیے کہ اس میں کون سا گروہ اور کون سا ادبی پہلو مراد ہے اگر عورتوں کی ذات کے بارے میں ایک حکم بیان ہوا ہے تو تمام عورتوں کی ذات مراد نہیں ہے بلکہ یہ ثانوی حالت ہے کہ یہ زمانے کی قدرتی و طبیعی شرائط، اس وقت کے رسم و رواج اور عورتوں کے مستضعف ہونے کی بنا پر بعض عبارتیں خاص عورتوں کے متعلق ہیں۔ بعض عبارتیں حضرت علی کے زمانے کی عورتوں کے متعلق (وہ بھی زمانے کے تقاضوں کے مطابق) اور بعض ہر زمانے کی خواتین کے متعلق ہیں۔ البته بعض عبارتیں ایسی بھی ہیں جو ہر زمانے کی عورتوں کے بارے میں ہیں جیسے ”المر ریحان، لیست بقهرمان“

عربی عبارتوں کے ترجمہ میں غور و فکر کرنا

نهج البلاغہ کا مطالعہ کرتے وقت یہ اصول یاد رکھنا چاہیے کہ نهج البلاغہ اور عربی کلام کے بعض کلمات اور بیماری زبان کے الفاظ مشترک ہیں جبکہ ان کے معنی میں بہت زیادہ فرق پایا جاتا ہے مثلاً ایک کلمہ عربی زبان میں ایک معنی میں استعمال کیا جاتا ہے لیکن اردو یا فارسی میں دوسرے معنی میں استعمال ہوتا ہے لہذا توجہ کرنی چاہیے کہ یہ لفظ عربی میں کس معنی میں استعمال ہوا ہے؟ مثلاً خطبہ نمبر 80 میں ”عورتوں میں نقص ایمان، نقص عقل اور نقص ارث استعمال ہوا ہے عربی میں نقص سے مراد کم حصہ پانا، یا کم نصیب ہونا ہے جبکہ اردو یا فارسی میں نقص سے مراد عیب وغیرہ ہے جو کہ بالکل غلط ہے مثلاً اس حدیث ”اذا تم العقل نقص الکلام“ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جب عقل کامل ہو جائے تو اس کے کلام میں عیب پیدا ہو جاتا ہے یا

وہ باتیں نہیں کر سکتا بلکہ مراد کم باتیں کرنا ہے پس اس سے پتہ چلتا ہے کہ عورت کا ایمان یا عقل ناقص نہیں ہے بلکہ وہ اس سے کم استفادہ کرتی ہے کم استفادہ کرنا، کم فائدہ اٹھانا، عقل میں عیب پائے جانے کے برعکس ہے، کیونکہ یہ عورت میں فطری عمل ہے اور خود اس کی ذات کی مصلحت، معاشرے کی ضرورت، اس کی خلقت و پیدائش اور اس کے کردار اور نقش کے مطابق ہے اسے معاشرے میں آنے والی نسلوں کی تربیت اور پرورش کرنی ہے اور اس کیلئے مہرو محبت اور شفقت کی ضرورت ہے اور عورتیں دریائے عشق و محبت اور عطوفت و مہربانی میں غرق ہوتی ہیں۔ بعض اوقات ان ہی کی وجہ سے ایسے مقامات پر کہ جہاں زیادہ عقل و درایت کی ضرورت ہے مثلاً جج کی کرسی پر مجرم یا بے گناہ کے بارے میں فیصلہ سنانا، اگر احساس نرم دلی ان پر غالب آجائے تو اس بے گناہ کو ناحق سزا مل سکتی ہے اور مجرم آزاد ہو سکتا ہے اسے کہتے ہیں کہ عورت ناقص العقل ہے یعنی اس نے اپنی عقل سے کم فائدہ اٹھایا اور اس پر محبت اور مہربانی کا احساس غالب آگیا، اور یہ احساس اکثر عورتوں میں زیادہ پایا جاتا ہے اور ان میں ایک فطری ضرورت ہے۔ اگر چہ زمانے کے مطابق قابل تغییر و تبدل بھی ہے البتہ تاریخ میں ایسی خواتین کا ذکر بھی ملتا ہے کہ جنہوں نے عطوفت و مہربانی کو محفوظ رکھتے ہوئے اپنی عقل سے بھی بہر پور استفادہ کیا ہے لیکن اس کیلئے ایک صحیح ثقافت اور پروگرام، نیز تربیت کی ضرورت ہے اور بہت کم عورتیں اس مقام پر پہنچتی ہیں

اس خطبے میں نقص عقل یا نقص ایمان ذکر ہوا ہے، یہاں پر فلسفہ کی اصطلاح میں ”عقل مدرک کلیات“ یا روایات کی رُو سے ”وہ عقل کہ جس کے ذریعہ خدا کی معرفت حاصل کر کے اس کی عبادت کی جاتی ہے“ مراد نہیں ہے بلکہ اسے اندازہ اور موازنہ کرنے والی عقل کہہ سکتے ہیں اور عام طور پر عورتیں روحی اور عاطفی مناسبات کی بنا پر خاص مقامات پر خطا و اشتباہ کی مرتکب ہوجاتی ہیں۔ لہذا کہا گیا ہے: ”گواہی میں مرد کے دو برابر ہوں۔“ یہ عقل کے نقص کیلئے مثال پیش کی گئی ہے لیکن اس سے عورت کے کمالات میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی فقط عدالتی مسائل میں کسی کا حق پائیں نہ ہو۔ اس میں دقت کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح نقص ایمان میں بیان کیا گیا ہے: ”عورتیں مخصوص ایام میں عبادت سے محروم ہیں“ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ عبادت سے کم استفادہ کرتی ہیں۔ حضرت علی دوسری حدیث میں فرماتے ہیں: ”ایمان کے تین رکن ہیں، ان ہی تین ارکان میں سے ایک رکن ہے“ عمل۔ کہ جس میں عورتیں مردوں کی نسبت کم فائدہ اٹھا سکتی ہیں۔ لہذا ان کے ایمان میں نقص (یعنی کم استفادہ کرنا) پیش آتا ہے اور یہ ایک فطری امر ہے جسے گناہ نہیں کہا جاسکتا۔ لیکن ہر صورت میں وہ عبادت سے محروم رہ جاتی ہیں جب کہ باقی روایات کی بنا پر ان دنوں میں اگر عورت جائے نماز پر بیٹھ کر تسبیح و ذکر کرے تو اس نقص کی تلافی بھی کی جا سکتی ہے

مذمت کیوں اور اس کا فلسفہ کیا ہے؟

قرآن کریم، نهج البلاغہ یا حدیث کتابوں میں انسانوں کے مختلف گروہوں اور اصناف کے بارے میں مذمت وارد ہوئی ہے لیکن جب ہم توجہ کرتے ہیں تو یہ سرزنش اور مذمت، آگاہی اور معرفت وغیرہ کی وجہ سے کی جاتی ہے یعنی خدا چاہتا ہے کہ انسانوں کو ابتدائی خطرات اور آفات سے محفوظ رکھے اور رشد و کمال کی طرف ترغیب دلائے قرآن مجید میں موجود تعبیریں جیسے ”انسان عجول، ظلوم، کفور، هلوع ہے۔“ انسان کی ابتدائی خلقت اور طبیعت، صحیح تربیت اور پرورش سے پہلے ایسی ہی ہے اور یہ انسانی گروہوں کے بارے میں کہا جاتا ہے مثلاً ”جوان ناپختہ اور جاپل ہے“ اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ جوانوں کی بتک حرمت کی جاری ہے بلکہ انہیں خبردار کیا جا رہا ہے کہ اپنا خیال رکھیں اور ہوشیار رہیں اور دوسرے لوگ بھی ان سے حد سے زیادہ امید نہ رکھیں

نہج البلاغہ کو قرآن اور سیرہ اہل بیت کے معیار پر تولنا

نہج البلاغہ میں حضرت علی کے کلام کو سمجھنے اور مطمئن ہونے کیلئے اس کا قرآن سے موازنہ کریں اگر قرآن کے مطابق ہو تو قبول کریں اور اگر اس کے خلاف ہو تو اس جملے کے صحیح ہونے میں شک کریں مثلاً قرآن میں عورت کے بارے میں ارشاد ہوا ہے:

”یا ایها الناس اتقوا رَبّکُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِّنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ“

اے لوگو! اپنے پورودگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک حقیقت سے خلق کیا ہے“ (10)

دوسری جگہ قرن مجید، عورت اور مرد کے عمل اور اس کی قیمت کو مساوی قرار دیتا ہے:

”مِنْ عَمَلِ صَالِحٍ مِّنْ ذَكْرٍ أَوْ إِنْشَى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَوْلَئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ يَرْزُقُونَ فِيهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ؛ جَنَّةٌ نَّهَى عَنِ الْعَمَلِ صَالِحٍ“ انجام دیا چاہے مرد ہو یا عورت جبکہ مومن ہو تو یہ جنت میبداخل ہو گئے اور وہاں سے حساب روزی پائیں گے“ (11)

یہی قرآن حضرت مریم اور حضرت آسمیہ کو مومنوں کیلئے نمونہ قرار دیتا ہے (12) اگر عورتیں ناقص الایمان ہوتیں تو پھر مومنوں کیلئے نمونہ اور اسوہ قرار نہ پاتیں اسی طرح آئمہ، حضرت سیدہ علیہا السلام کو اپنے لیے حجت قرار دیتے ہیں اگر ناقص ایمان کا مسئلہ ہوتا تو آئمہ کی نظر سے پر گز دور نہ رہتا اور وہ اس طرح سے ایک خاتون کو اپنے لیے حجت اور نمونہ قرار نہ دیتے۔

عورت کا شر ہونا مرد کی نسبت سے ہے

پہلے نظریہ میں کہا گیا ہے کہ عورت شر ہے، اگر مانا بھی جائے تو بھی عورت کی یہ صفت ذاتی نہیں ہے بلکہ ایک نسبی شے ہے کبھی کبھار ایک چیز شر نہیں ہوتی لیکن دوسری چیز کی بہ نسبت شر بن جاتی ہے اور دوسری چیز کی وجہ سے اس میں یہ حالت پیدا ہو جاتی ہے مثلاً حضرت علی نے عورت کو عقرب سے تشبیہ دی ہے کہ جس کے انتخاب سے انسان ناگزیر ہے اور اس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مرد عورتوں کی طرف جذب اور مائل ہوتا ہے۔ لہذا عورتوں کا ایک اجتماع میں حضور مردوں کیلئے شر ہے اور اگر مرد، ان سے تعلقات قائم کرتا ہے تو اس کے کمال اور ترقی میں رکاوٹ پیش آتی ہے اور رکاوٹ بننا عورت کو مرد کی بہ نسبت شر قرار دیتا ہے جبکہ ابتدائی اور فطری امر میں ان کا تعلق اور واسطہ حیوانی اور حیاتی ہے ہاں اگر یہ اپنے تعلق کے ساتھ معنویت، کمال اور سعادت کو بھی مد نظر رکھیں، صحیح تربیت اور صحیح پروگرام کے ساتھ آگے بڑھیں تو یہ دونوں کیلئے شر کے بجائے خیر و برکت کا بہترین وسیلہ ہے

صفات حسنہ کے لحاظ سے عورت اور مرد میں فرق

عام طور پر اخلاقی فضیلتوں کے لحاظ سے عورتوں اور مردوں میں فرق پایا جاتا ہے اور ان کے مصادیق بھی مختلف ہوتے ہیں لیکن بعض صفات ایسی بھی ہیں جو مردوں میں بری مانی جاتی ہیں لیکن عورتوں میں اچھی شمار کی جاتی ہیں یا بر عکس۔ اور یہ ان کے روحی شرائط، ان کے نقش و کردار یا فطری شرائط کے تحت ہوتا ہے حضرت علی فرماتے ہیں:

”خیار خصال النساء شرار الرجال: الزھو والجبن والبخل؛ فاذاكانت المرأة مزهو لم تكن من نفسها واذا كانت بخيل حفظت مالها و مال بعلها واذا كانت جبان فرقت من كل شيء يعرض لها“؛

عورتوں کی بہترین خصلتیں مردوں کی بدترین خصلتیں ہیں: تکبر، ڈر اور بخل؛ جب عورت متکبر اور مغرور ہو تو (شوپر کے سوا) کسی کے سامنے نہیں جھکے گی اور جب کنجوس ہوتا اپنے اور اپنے شوپر کے مال کی حفاظت کرے گی اور جب ڈرپوک اور بزدل ہوتا جس چیز سے اسے نقصان پہنچنے کا ڈر ہو، اس سے دوری اختیار کرے گی (13)

عورت اور مرد کے وظائف اور ذمہ داریاں

ہر عورت اور مرد کو اس کی خلقت کے مطابق خاص ذمہ داریاں سونپ دی گئی ہیں کیونکہ دونوں کی اپنی خصوصیات اور صفات ہیں؛ لہذا ہر ایک کی اپنی ذمہ داری ہے میدان جنگ میں معرکہ آرائی اور جہاد مرد کے ذمہ ہے اور یہ کام عورتوں کی لطافت، نزاکت اور ظرافت کی وجہ سے ان کی طاقت سے باہر ہے اس کے بدلے میں حضرت علی فرماتے ہیں: "جہاد المرأة حسن التبعل"؛ یعنی: "عورت کا جہاد، اچھی شوپر داری ہے" (14) یعنی جس طرح ایک مرد محاذ جنگ پر سختیاں برداشت کرتا ہے اور اس کا جہاد اس کے اجر و کمال کا سبب بنتا ہے اسی طرح عورت بھی اپنے شوپر کا اخلاق اور گھریلو پریشانیاں اور سختیاں برداشت کر کے اس مجاہد کے اجر و کمال کی مستحق قرار پاتی ہے

خلاصہ یہ کہ حضرت علی نے عورت کو کمالات کے لحاظ سے مرد کے برابر درجہ دیا ہے اور اگر فرق ہے بھی تو وہ فطری اور قدرتی اور پیدائشی لحاظ سے ہے اس کے نقش و عمل میں فرق ہے نہ کہ اس کے اجر و پاداش اور کمالات میں، اور دوسری طرف اگر عورت میں نقص عقل ہے تو مرد میں بھی نقص عشق و محبت ہے۔ بلکہ یہ ایک کمال ہے اور اگر کسی عورت میں یہ عطفوت و عشق اور محبت کا عنصر نہ پایا جائے تو وہ فطری لحاظ سے ناقص ہوگی ورنہ یہ اس کیلئے عین کمال ہے اور اگر یہی چیز ایک مرد میں پائی جائے تو اس کیلئے نقص اور عیب شمار ہوگے حال یہ فطری امور میں سے ہے اور عورت کی ذات میں اس سے کمی واقع نہیں ہوتی ہے

حوالہ جات

- 1 تربیت اسلامی، ص 90
- 2 علی انصاریاں، الدلیل، ص 1045
- 3 نهج البلاغہ، حکمت 238
- 4 شرح نهج البلاغہ، ابن ہیثم بحرانی، ج 5، ص 361
- 5 بہج البلاغہ، دشتی، حکمت 61
- 6 بحار الانوار، ج 1
- 7 وسائل الشیعہ، ج 2، ص 64
- 8 نهج البلاغہ، خطبہ 80
- 9 نهج البلاغہ، حکمت: 98
- 10 نسائی، 1
- 11 مومن، 40
- 12 تحریم، 11
- 13 نهج البلاغہ، حکمت 234

